آل مسلم پارٹیز کانفرنس کے پروگرام پر ایک نظر

از

سیدنا حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد

خلیفۃ المسیح الثانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ــــ ھُوَالنَّاصِرُ

آل مسلم پارٹیز کانفرنس کے پروگرام پر ایک نظر

(رقم فرمودہ مؤرخہ ۱۳ جولائی ۱۹۲۵ء)

آل مسلم پارٹیز کانفرنس کے پروگرام کی ایک کاپی مجھے بھی بھیجی گئی ہے اور خواہش کی گئی ہے کہ مَیں بھی اس میں شامل ہوں۔ چونکہ نظر بر حالاتِ موجودہ مَیں خود شمولیت کرنے سے معذور ہوں اس لئے تحریراً مَیں اپنے نمائندوں کے ذریعہ سے اپنے خیالات زیر بحث مواضیع کے متعلق بیان کرتا ہوں۔ اور یہ بھی بیان کر دینا چاہتا ہوں کہ یہی خیالات جماعت احمدیہ کے اس حصہ کے ہیں جو میری بیعت میں شامل ہے اور جو اس کے مطابق عمل کر رہا ہے اور دوسری جماعتوں سے مل کر جہاں تک اس کے عقائد اور اس کی قومی ضروریات اجازت دیں عمل کرنے کے لئے تیار ہے۔

چونکہ یہ دعوت مجھے دیر سے پہنچی ہے اور چونکہ بوجہ بیماری میں صرف آج کہ تیرہ تاریخ ہے اس پر کچھ لکھنے کے قابل ہؤا ہوں اس لئے مجبوراً نہایت اختصار سے اس پر اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا ہوں۔

اسلام کی سیاسی اور مذہبی تعریف

مجھے ابتداء ہی میں اس بات کو بتا دینا چاہئے کہ کبھی بھی آل مسلم پارٹیز کانفرنس کے داعیان کو اپنے مقصد میں کامیابی نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اس امر کو نہ سمجھ لیں اور سب مسلمانوں کو اپنا ہم خیال نہ بنا لیں کہ اسلام کی اس زمانہ میں دو تعریفیں ہیں۔ ایک مذہبی اور ایک سیاسی۔ مذہبی تعریف ہر ایک شخص کے اختیار میں ہے وہ جو چاہے تعریف کرے اور اس کے مطابق جس کو چاہے کافر بنائے اور جس کو چاہے مسلمان۔ کسی کا حق نہیں کہ اس پر اس سے ناراض ہو گو ہر ایک کا حق

ہے کہ اس کو اگر وہ غلطی پر ہے سمجھائے۔ دوسری تعریف سیاسی ہے اور یہ تعریف کوئی فرقہ خود نہیں کر سکتا بلکہ یہ تعریف اسلام کا لفظاً و معناً انکار کرنے والے لوگ کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں۔ سیاسی طور پر کون لوگ مسلمان ہیں؟ اس کا جواب نہ دیو بند دے سکتا ہے نہ قادیان نہ فرنگی محل نہ گولڑہ اور نہ علی پور۔ اس کا جواب صرف ہندو اور عیسائی اور سکھ دے سکتے ہیں جن سے مسلمانوں کا سیاسی واسطہ پڑتا ہے۔ اگر ایک جماعت کو دیگر مذاہب کے پیرو مسلمان کہتے اور سمجھتے ہیں تو ایک لاکھ مولویوں کے فتوے بھی اس کو سیاست اسلامیہ سے باہر نہیں نکال سکتے۔ سنّی خواہ شیعوں کو اور شیعہ خواہ سنّیوں کو کافر کہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ سیاسی معاملات میں ہندو اور سکھ سنّیوں اور شیعوں سے کیا معاملہ کریں گے کیا سنّیوں کے شیعوں کو کافر کہنے کے سبب سے ہندو لوگ سنّیوں اور شیعوں سے الگ الگ قسم کا معاملہ کریں گے؟ نہیں، وہ جو کارروائی ایک قوم کے خلاف کریں گے وہی دوسری کے خلاف بھی کریں گے۔ پس سیاستاً ان کے مفاد ایک ہیں جن پر اسلام کا لفظ حاوی ہے اور اگر وہ اس نکتہ کو نہیں سمجھیں گے تو ان کو ایک ایک کر کے دوسری قومیں کھا جاویں گی اور ان کو اس وقت ہوش آوے گی جب ہوش آنے کا کوئی فائدہ نہ ہو گا۔

سیاسی امور میں ضرورت اتحاد

اس اصل کے بیان کرنے کے بعد میں تمام ان فرقوں کے لوگوں سے جو اسلام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں کہتا ہوں کہ عقیدتاً وہ خواہ ہمیں کافر کہیں اور خواہ ہم ان کو کافر کہیں۔ اسلام کے نام نے ہمارے سیاسی فوائد کو اس طرح ملا دیا ہے کہ ہم سیاستاً ایک دوسرے کو مسلمان قرار دینے پر مجبور ہیں اور اگر کوئی ایک فرقہ مذہبی عقیدہ کی بناء پر سیاسی جدوجہد میں بھی الگ کر دیا گیا تو یاد رکھو کہ اس کا یہ نتیجہ ہو گا کہ وہ اپنی زندگی کے قیام کے لئے دوسری اقوام سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہو گا اور اس صورت میں اسے ان فرقوں کے مقابلہ میں جنہوں نے اسے سیاستاً کچلنے کی بلکہ مارنے کی کوشش کی تھی ضرور اس جماعت کی رعایت کرنی ہو گی جو اس سے معاہدہ ہو کر اس کی حفاظت کا وعدہ کرے۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ سیاسی میدان میں کوئی قوم بغیر طاقتور ہمسایوں سے معاہدہ کئے زندہ رہ سکے۔ اور یہ آپ لوگ ہرگز امید نہیں کر سکتے کہ ایک جماعت کو آپ لوگ دھتکار کر نکال دیں اور پھر یہ بھی امید کریں کہ وہ دوسری قوموں کی طرف بھی رجوع نہ کرے اور دست تظلّم کی داد دیتے ہوئے اپنے سیاسی وجود کو فنا کر دے اس قسم کی وفا کی مثالیں افراد میں مل سکتی ہیں اور وہ بھی شعراء کے کلام میں۔ قومیں اس قسم کی وفا کا نمونہ دکھا کر زندہ نہیں رہ سکتیں

سوائے اس صورت کے کہ ان کی عقل ماری گئی ہو۔ اگر قلیل التعداد جماعتوں کو حقیر سمجھ کر اپنے سے دور پھینکا گیا محض اس لئے کہ ہمارا مذہبی اختلاف ہے یا اس وجہ سے ہی کہ ہم ایک دوسرے کو کافر سمجھتے ہیں تو ہندوستان میں دوسری ایسی عقلمند قومیں موجود ہیں جو ان دور پھینکے جانے والوں سے سیاسی سمجھوتے کر کے اپنی سیاسی طاقت کو بڑھانے کی خواہش مند ہیں۔ پس ہر ایک چیز کو اس کے مقام پر رہنے دو۔ مذہبی کفر و اسلام کو مذہب کی بحثوں کے موقعوں کے لئے اور سیاسی کفر و اسلام کو سیاسی حل و عقد کے موقعوں کے لئے۔

کانفرنس کے متعلق مشورہ

اس کے بعد مَیں اپنے خیالات ان سوالات کے متعلق جن پر کانفرنس میں غور کیا جائے گا بتاتا ہوں۔ مگر یہ بھی مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ ایسے اہم امور ایک کانفرنس میں کبھی طے نہیں ہو سکتے کیونکہ ایک ہی وقت میں علم کا حاصل کرنا اور اس کا نتیجہ بھی نکال لینا نہایت ہی مشکل کام ہے۔ پس چاہئے کہ اس کانفرنس میں صرف تبادلہ خیال ہو اور اس کے دو یا تین ماہ کے بعد پھر لوگ اکٹھے ہوں اور اس کانفرنس میں کسی خاص نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کی جائے۔ اس عرصہ میں لوگ تمام تجاویز پر خوب غور و فکر کر لیں گے اور ان کی رائے زیادہ مضبوط ہو گی۔

تبلیغی نظام کا سوال

جو سوالات کانفرنس میں پیش ہوں گے ان میں سے سب سے پہلا سوال جو درجہ کے لحاظ سے بھی پہلا ہے یہ ہے کہ تمام ملکِ ہند کے لئے ایک تبلیغی نظام مقرر کیا جائے اور تبلیغی انجمنوں کے اندر اتحاد پیدا کرتے ہوئے تقسیم کار کی صورت نکالی جائے۔

میرے نزدیک یہ سوال اسلام کے لئے ایسا ہی اہم ہے جیسا کہ انسان کے لئے زندگی اور موت کا سوال۔ اسلام تبلیغ کے ذریعہ سے ہی زندہ رہا ہے اور زندہ رہے گا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ مبلّغوں کے متعلق فرماتا ہے کہ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔[1] وہی لوگ کامیاب ہوں گے یعنی مسلمانوں کی کامیابی ہمیشہ تبلیغ سے وابستہ رہے گی۔

اسلام میں قوت جاذبہ

تبلیغ کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام میں جو قوت جذب کرنے کی موجود ہے وہ اور کسی مذہب میں نہیں۔ نہ ہندوؤں میں نہ سکھوں میں نہ مسیحیوں میں وہ اخوت اور مساوات ہے جو اسلام میں ہے اس لئے اسلام کی تبلیغ میں جو آسانیاں ہیں وہ دوسری قوموں کو حاصل نہیں ہیں۔ خصوصاً جبکہ اس امر کو مدنظر رکھا

جائے کہ فوج در فوج لوگ جو کسی مذہب کو قبول کرتے ہیں وہ اس کی روحانی خوبیوں کی وجہ سے نہیں کیا کرتے بلکہ اس کی تمدنی اور سیاسی خوبیوں کی وجہ سے کرتے ہیں اور اس قسم کی قومیں ہمیشہ وہی ہوتی ہیں جو تمدناً ادنیٰ ہوں یا ان کو ادنیٰ سمجھا جاتا ہو۔ پس تبلیغ کا بہترین میدان ہندوستان کی وہ قومیں ہوں گی جو تمدناً ادنیٰ ہیں یا ادنیٰ سمجھی جاتی ہیں۔

تبلیغ اسلام میں مشکلات

لیکن ان قوموں کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ان پر مسیحی ایک لمبے عرصہ سے اور ہندو کچھ سالوں سے حملہ آور ہو رہے ہیں۔ مسیحیوں کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ اِس وقت تک تیس لاکھ سے زیادہ ایسے آدمیوں میں سے وہ اپنے ساتھ شامل کر چکے ہیں اور اس وجہ سے نئے داخل ہونے والوں کو ان میں ملنا بہ نسبت دوسرے مذاہب کے زیادہ آسان ہے۔ پنجاب میں چار لاکھ کے قریب چوڑھے ہیں جن میں سے نصف کے قریب عیسائی ہو چکے ہیں اور اب عیسائی ہونے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے کیونکہ اب غیر عیسائیوں کو رشتہ کی سخت دقت ہو رہی ہے پس وہ رشتے ناطے کی غرض سے عیسائی ہو جاتے ہیں۔

دوسری فوقیت ان کو یہ ہے کہ ان کے پاس روپیہ ہے۔ وہ ان کی تعلیم پر خرچ کرتے ہیں اور ان کی تمدنی حالت کی درستی کے لئے ان کے واسطے زمینداراہ کا انتظام کرتے ہیں۔

تیسرے پادریوں کے بارسوخ ہونے کی وجہ سے کئی جگہ مجرم پیشہ لوگ مسیحی ہو جاتے ہیں کہ اس طرح جرائم کر کے بھی نسبتاً محفوظ رہتے ہیں اور کئی جگہ نمبردس کے رجسٹر سے نام کٹوانے کا باعث عیسائی ہو جانا ہوا ہے اور ہوتا ہے۔

چوتھے حکومت کا مذہب بھی مسیحیت کی کشش کو ضرور بڑھاتا ہے۔

دوسرے نمبر پر سکھ ہیں اور ان کو یہ فوقیت ہے کہ وہ پنجاب میں بڑے زمیندار ہیں اور چونکہ ادنیٰ اقوام کا بیشتر حصہ زراعت پر گزارہ کرتا ہے وہ مالک زمیندار کے اثر کو قبول کرنے کے لئے تیار رہتا ہے۔ پھر سکھ ہندوؤں کی نسبت جلد ان لوگوں کو اپنے اندر شامل کر لیتے ہیں اور چونکہ ان میں بھی ایک لاکھ کے قریب یہ لوگ داخل ہو گئے ہیں رشتہ ناطہ کا سوال روک نہیں ڈالتا۔

مسلمانوں کو نہ صرف یہ کہ ان قوموں کی طرف توجہ نہیں بلکہ وہ ان کے مسلمان ہونے میں اس لئے روک ڈالتے ہیں کہ پھر ہمارے گھروں کی صفائی کون کرے گا۔ چنانچہ ایک علاقہ میں چھ ہزار کے قریب ادنیٰ اقوام کے آدمی اسلام کی طرف مائل ہو رہے تھے کہ ایک مسلمان مولوی کو ایک گاؤں والوں نے مقرر کیا کہ وہ ہمارے واعظ کے پیچھے پیچھے جائے تا وہ ان لوگوں کو مسلمان ہونے پر

آمادہ نہ کرلے۔ چنانچہ اس مولوی نے سب علاقہ میں دورہ کر کے ان لوگوں کو روکا۔ وہ آج پختہ ہندو ہیں اور کل کو ان زمینداروں کا خون چوسیں گے۔

خلاصہ یہ کہ کامیاب تبلیغ کے لئے ہمیں خاص نظام کی ضرورت ہے جس میں ہمیں اس امر کو مدنظر رکھنا ہو گا کہ کس قوم کو کس ذریعہ سے اسلام کی طرف مائل کیا جاسکتا ہے خالی مبلّغ مقرر کر دینا ہرگز کافی نہ ہو گا۔ بوجہ قلت وقت میں اس نظام کو جو مَیں نے سوچا ہے لکھ نہیں سکا۔ اگر میرے خیالات سے آگاہ ہونے اور ان پر غور کرنے کی ضرورت سمجھی جائے تو مَیں بعد میں بتا سکتا ہوں۔

مخصوص عقائد کی تبلیغ

انجمنوں میں اتحاد اور تقسیم کار کے سوال کے متعلق مَیں کہنا چاہتا ہوں کہ یہ امید کہ کوئی فرقہ اپنے خیالات کی اشاعت سے باز آجائے تو امید لا حاصل ہے۔ یہ خیال بھی غلط ہے کہ نو مسلموں میں اپنے خیالات نہ پھیلائے جاویں۔ آخر نو مسلم بہرے نہ ہوں گے وہ کسی قلعہ میں قید نہ ہوں گے وہ لوگوں سے ملیں گے اور اختلافات کی باتیں سنیں گے اس وقت وہ ضرور اسی مبلّغ سے ہدایت پائیں گے جس نے ان کو اسلام کا راہ دکھایا ہے اور وہ کس طرح ان کو جواب دینے سے پہلو تہی کر سکتا ہے یا اپنے عقیدہ کے خلاف بتا سکتا ہے۔ بہرحال نماز روزہ کی تلقین میں اسے ضرور اپنے پسندیدہ مسائل ہی بتانے پڑیں گے اور اختلاف وہیں سے شروع ہو جائے گا۔ پس صورت اتحاد یہی ہے کہ ہر ایک جماعت اس امر کو تسلیم کرے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھوانے والا ایک اچھا کام کر رہا ہے خواہ وہ اس کے ساتھ اپنے خیالات بھی منواتا ہو اور دوسری جماعتوں کو اس کے کام سے تعرّض نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ کیا رسول کریم ﷺ کو گالیاں دینے والے سے وہ شخص اچھا نہیں جو خواہ خلفاء ثلاثہؓ کو نہ مانتا ہو۔ امام ابو حنیفہؒ کا ادب نہ کرتا ہو مگر رسول کریم ﷺ کو راستباز نبی مانتا ہو۔ یا گو مرزا غلام احمد صاحب علیہ السلام کو مجدد یا نبی یا مسیح موعود تسلیم کرتا ہو لیکن رسول کریم ﷺ کو آخری شارع نبی اور قرآن کریم کو آخری تشریعی وحی قرار دیتا ہو۔

تقسیم کار کا طریق

تقسیم کار کا بہترین علاج یہ ہو گا کہ مختلف علاقے مختلف جماعتوں کے سپرد کئے جاویں اور وہ ایک دوسرے کے علاقے میں دخل نہ دیں اور غیر مسلموں کی تبلیغ کو اسی کے سپرد رہنے دیں جس کے سپرد وہ علاقہ ہے۔

مگر یہ سوال حل نہ ہو گا جس وقت تک تنظیم کا سوال نہ حل ہو گا۔ کیونکہ اگر کوئی قوم اس معاہدہ کو توڑ دے گی تو سب کیا کرایا کام دریا برد ہو جائے گا۔

تنظیم کا سوال

دوسرا سوال تنظیم کا ہے۔ یہ سوال بھی نہایت اہم ہے۔ بغیر تنظیم کے کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی بلکہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ تنظیمی پروگرام مقرر کرتے ہوئے ہمیں ان امور کو سوچنا نہایت ضروری ہو گا۔ (۱) مختلف جماعتوں کے اندرونی انتظام پر اس کا اثر نہ پڑے۔ (۲) افراد کو کانشس کی قربانی نہ کرنی پڑے۔ (۳) ذاتی بلندی کے حصول کے خیالات اس نظام کو بودہ اور کمزور نہ کر دیں۔

دوسری بات اس امر کے لئے یہ ضروری ہو گی کہ اس نظام کی باگیں ایک فی الواقع منتخب شدہ جماعت کے ہاتھ میں ہوں۔ جو وقتاً فوقتاً دوبارہ منتخب ہوتی رہے۔ اس سے ایک طرف تو مسلمانوں کے اندر حقیقی نیابت کا طریق کار راسخ ہوتا چلا جائے گا۔ (۲) دوسرے عامہ رائے کی تربیت ہوتی چلی جائے گی۔ (۳) تیسرے عوام الناس کی دلچسپی کام سے بڑھ جائے گی۔ (۴) ایک ایسی سیاسی مشینری تیار ہو جائے گی۔ جو تحفظ حقوق کے لئے ہر وقت استعمال کی جاسکے گی۔ (۵) ہم گورنمنٹ کو دکھا سکیں گے کہ موجودہ فرنچائز ناواجب طور پر محدود ہے۔

مختلف صیغوں کی ضرورت

تیسری بات اس تنظیم کے لئے یہ ضروری ہو گی کہ اس کے مرکزی کام کو مختلف ڈیپارٹمنٹس میں اسی طرح تقسیم کیا جائے جس طرح کہ گورنمنٹ کے محکمے ہوتے ہیں۔ سیکرٹری شپ کا طریق نہ ہو بلکہ وزراء کا طریق ہو۔ ہر ایک صیغہ کا ایک انچارج ہو اور اس کام کا ذمہ دار جو ہر سال اپنے صیغہ کی رپورٹ شائع کرے۔ اور ہر صیغہ کے لئے ایک مطمح نظر مقرر کیا جائے جس کے متعلق وہ ناظر بتائے کہ اس نے اس میں سے کس قدر حصہ کو پورا کر لیا ہے اور باقی کے پورا کرنے کی وہ کب تک امید کرتا ہے۔ مثلاً ایک صیغہ تبلیغ کا ہو، ایک صیغہ تعلیم و تربیت کا ہو جس کے ذمہ یہ بات ہو کہ وہ ہر مسلمان کو تعلیم یافتہ بنانے کی کوشش کرے اور اس کی صحیح تربیت کا نگران ہو۔ اس صیغہ کے متعلق ایک نہایت ضروری سلسلہ سکولوں اور کالجوں کے طلباء کے اندر قومی روح پھونکنے کا ہو۔ ہر جگہ جہاں کوئی سکول یا کالج ہو یہ انتظام کیا جائے کہ لیکچروں، وعظوں، ٹریکٹوں اور دوسرے ذرائع سے نوجوانوں کے اندر قربانی کی روح پھونکی جائے اور خود غرضی کا مادہ دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ سیاست حاضرہ میرے نزدیک طلباء کے لئے مفید نہیں ہو سکتی بلکہ اس میں شغل ان کے لئے مُضِرّ ہوتا ہے لیکن اصول سیاست کے ماتحت ان میں قومی روح کا پیدا کرنا نہایت مفید اور ضروری ہے۔ میرے نزدیک مسلمانوں کی بڑی تباہی کا باعث افراد کی عدم تربیت اور خود غرضانہ

خیالات کا غلبہ ہے۔ وہ دوسری اقوام کے مقابلہ میں اسی وجہ سے ذلیل رہتے ہیں اور ملک کے لئے بھی مفید نہیں ہو سکتے۔ میرا یہ خیال ہے کہ ہم حکومت سے صحیح تعاون کر کے جس قدر جلد حکومت پر قابض ہو سکتے ہیں عدم تعاون سے نہیں۔ گورنمنٹ برطانیہ کی طاقت انگریز افسروں کے ذریعہ سے اسقدر نہیں ہے جس قدر کہ خود غرض نفس پرست ہندوستانی افسروں کے ذریعہ سے۔ اگر ہم کالجوں اور سکولوں کے طلباء کے اندر یہ روح پیدا کر دیں کہ جو ان میں سے ملازمت کو ترجیح دیں وہ اس غرض سے ملازمت کریں کہ اپنی قوم اور اپنے ملک کو فائدہ پہنچائیں گے تو یہ لوگ چند ماہ میں ہی حکومت کو اپنی آزاد رائے اور بے دھڑک مشورہ سے مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ ہندوستانی نقطہ نگاہ کی طرف مائل ہو۔ بے شک ایسے لوگوں کی ملازمت خطرہ میں ہو گی مگر جبکہ یہ لوگ ملازم ہی اس خطرہ کو مدنظر رکھ کر ہوئے ہوں گے تو ان کے دل اس بات سے ڈریں گے نہیں۔ دوسرے کوئی گورنمنٹ ایک وقت میں ہزاروں لاکھوں ملازموں کو اس جرم میں الگ نہیں کر سکے گی کہ تم کیوں سچائی سے اصل واقعات کو پیش کرتے ہو۔ اگر پولیس کے محکمہ پر ہی ایسے حب الوطنی سے سرشار لوگ قبضہ کرلیں تو حکومتِ ہند میں بہت کچھ اصلاح ہو سکتی ہے۔

ایک صیغہ تجارت کا ہو جو مسلمانوں کی تجارتی کمزوری کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایک صنعت و حرفت کا، ایک تحفظ حقوق ملازمت کا، ایک حفظان صحت کا، ایک امور خارجیہ کا جو غیر اقوام سے تعلقات کا نگران رہے، ایک عدالت کا جو پنچایت سسٹم کو کامیاب بنانے کی کوشش کرے، ایک احتساب کا جو اس امر کا مطالعہ کرتا رہا کرے کہ مسلمانوں میں اخلاقی و تمدنی خرابیاں تو کوئی پیدا نہیں ہو رہیں۔ اسی طرح ایک صیغہ بیت المال کا اور ایک محاسبہ کا۔ اور یہ سب صیغے ایک دوسرے سے آزاد ہوں تا آزاد طور پر ایک دوسرے کے کام کی نگرانی کر سکیں۔ ان صیغوں کے متعلق ہر بستی اور ہر گاؤں میں ایک انتظامی جال پھیلا ہوا ہو تا کہ صرف سالانہ تقریروں تک یہ کام محدود نہ رہے بلکہ حقیقی کام بھی دکھا سکے۔

تحقیقاتی کمیٹی کی ضرورت

اس انتظام کے ماتحت یہ ضروری ہو گا کہ فوراً ایک تحقیقاتی کمیٹی بٹھائی جائے جو اس امر پر غور کرے کہ مسلمانوں کو دوسری اقوام کے اثر سے آزاد ہونے کے لئے کون کون سی چیزوں کی ضرورت ہے۔ مثلاً یہ کہ کون کون سے صیغوں میں مسلمانوں کا حصہ ملازمت اس قدر کم ہے کہ وہ اپنے حقوق کی آزادانہ حفاظت نہیں کر سکتے۔ یا مثلاً کون کون سے پیشے ایسے ہیں کہ ان میں مسلمانوں کی تعداد

بہت کم ہے۔ مثلاً جیسے انجینئرنگ ہے زنانہ طب ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح تجارت اور صنعت و حرفت کے متعلق غور کیا جائے کہ ان کے کون کون سے ضروری شعبے ہیں جو مسلمانوں کے ہاتھ میں نہیں ہیں یا ان میں ان کا دخل اس قدر کم ہے کہ وہ آزاد قومی زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ یہ سب کمیٹی غور کے بعد جن جن امور کی طرف فوری توجہ مناسب سمجھے ان کی طرف مختلف ذمہ دار محکموں کو توجہ دلائے جن کا فرض ہو کہ جلد سے جلد ان کمیوں کو پورا کریں۔ اگر ایسی کمیٹی بنائی گئی اور اس نے محنت سے کام کر کے مختلف شعبہ ہائے عمل میں مسلمانوں کا حصہ معلوم کیا تو مسلمانوں کی آنکھیں کُھل جاویں گی کہ بہ حیثیت ایک قوم کے وہ ہرگز آزاد نہیں ہیں بلکہ ان کی ہمسایہ قومیں ان کو تمدنی امور میں اس طرح دبائے ہوئے ہیں کہ یہ ایک دن بھی آزاد زندگی بسر نہیں کر سکتے۔

مسلم بنک کا سوال

تیسرا سوال مسلم بنک کا ہے میں چونکہ سود کے لینے دینے کو ہر حالت میں ناجائز سمجھتا ہوں۔ اس مسئلہ پر کچھ لکھنا مفید نہیں سمجھتا ہاں اگر بِلا سود کے بنک کی صورت نکل سکے جو میرے نزدیک نکل سکتی ہے تو ہماری جماعت تفصیل معلوم ہونے اور مطمئن ہونے پر ایسے بنک میں شامل ہو سکتی ہے۔

قیام بیت المال

یہ بھی ایک ضروری شے ہے مگر اس امر کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ روپیہ نااہل لوگوں کے ہاتھ میں نہ رہے۔ اس کا باقاعدہ حساب ہوتا رہے اور ایسے لوگوں کے ذریعہ سے حساب چیک کروائے جاویں جو آزاد ہوں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس نظام کو رجسٹرڈ کروا لیا جائے تاکہ کارکنوں کو عدالتی کارروائی کا بھی خوف رہے۔ بیشک جذباتی طور پر یہ امر ناپسندیدہ معلوم ہو لیکن فطرت انسانی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس قسم کی احتیاطوں کی اشد ضرورت ہے۔ اور جب تک یہ احتیاطیں نہ کی جاویں گی اور دیانت کا اعلیٰ نمونہ نہ دکھایا جائے گا کبھی کام میں برکت نہ ہو گی اور لوگوں کی طبائع میں حقیقی جوش نہ پیدا ہو گا۔ بیت المال کے قیام میں اس امر کو بھی مدنظر رکھنا ضروری ہو گا کہ جن جماعتوں کے قومی بیت المال موجود ہیں ان کے نظام سے نیا نظام ٹکرائے نہیں کیونکہ کوئی قوم اپنے چلتے ہوئے کام کو اس نئے تجربہ کے لئے قربان کرنے کے لئے تیار نہ ہو گی اور نہ ہی وہ اپنے مخصوص نظام کو کسی وقت بھی نظام عام کے لئے چھوڑنے پر آمادہ ہو گی۔

اصلاح رسوم و رفع تنازعات

پانچواں امر اصلاح رسوم و بدعات و رفع تنازعات کے متعلق ہے۔ یہ ایک نہایت ہی نازک سوال ہے اور

اگر کانفرنس کسی دیرپا نظام کی صورت دیکھنا چاہتی ہے تو اسے اس امر میں سوچ سمجھ کر دخل دینا چاہئے۔ بہت سی رسوم اس قسم کی ہیں کہ ان کو مختلف فرقے اپنے مذہب کا جزو سمجھ رہے ہیں اور ان میں دخل دینا ان کے نزدیک مذہبی دست اندازی ہو گا۔ پس اس غرض کے حصول کے لئے کوئی عام قاعدہ بنانا شقاق و فساد کی بنیاد رکھنا ہو گا۔ اگر کانفرنس اپنے کام میں کامیاب ہونا چاہتی ہے تو اس کو چاہئے کہ اصلاح رسوم کا کام ہر فرقہ کے علماء اور عمائدین کے ہاتھ میں رہنے دے اور اسی وقت اور اسی حد تک دخل دے کہ کسی جماعت کے علماء اور عمائدین اس کے ساتھ متفق ہوں۔ اس کا ایک آسان طریق میں بتاتا ہوں جو یہ ہے کہ مرکزی نظام کی طرف سے ایک کمیٹی تحقیقاتی بٹھائی جائے جو ہر ضلع میں اپنے ماتحت سب کمیٹیاں مقرر کرے جو اپنے اپنے علاقہ کی قابل اصلاح رسوم کی فہرست بنا کر اور ساتھ یہ لکھ کر کہ یہ فلاں فلاں فرقہ یا جماعت میں پائی جاتی ہیں مرکزی کمیٹی کو اطلاع دے۔ مرکزی جماعت تمام رسوم کی ایک فرقہ وار لسٹ بناوے۔ یعنی اس طرح کہ فلاں فرقہ اور جماعت میں فلاں فلاں رسم پائی جاتی ہے جس کی اصلاح تمدنی یا اخلاقی لحاظ سے ضروری ہے اور پھر وہ لسٹ ہر فرقہ کے علماء کی کمیٹی کو دے کہ وہ اس پر اپنی رائے لکھیں کہ اس لسٹ میں کونسے امور کو وہ مذہبی اعمال سمجھتے ہیں اور ان میں کسی قسم کا دخل دینے کو ناپسند کرتے ہیں اور کونسے امور کو وہ مضر اور قابل اصلاح رسوم سمجھتے ہیں۔ جن امور کو وہ رسوم قرار دیں ان کے متعلق ان کی اور عمائدین فرقہ کی مدد سے اصلاح کی کوشش کی جائے۔ اور جن امور کو وہ مذہب کا حصہ یا ضروری قرار دیں ان کو اس قوم کی اصلاح کے وقتی پروگرام سے نکال دیا جائے۔ گو مرکزی جماعت کا یہ حق ہو گا کہ وہ تبادلہ خیالات کے ذریعہ سے کسی فرقہ کے علماء کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرے اور ان پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ وہ امور رسوم ہیں، مذہب کا حصہ نہیں ہیں۔ مگر یہ افہام و تفہیم ایسے رنگ میں ہونی چاہئے کہ بحث اور مباحثہ کا رنگ اختیار نہ کرے۔

ہر فرقہ کے علماء کی کمیٹی

اس اصلاحی کام کو کامیاب بنانے کے لئے اور دوسرے نظام کو مکمل کرنے کے لئے یہ ضروری ہو گا کہ ہر فرقہ کے لوگوں سے یہ درخواست کی جائے کہ وہ اپنے علماء کی ایک کمیٹی تجویز کریں جس سے تمام ایسے امور میں اس فرقہ کے متعلق مرکزی نظام مشورہ لے سکے جن کا اثر مذہب پر پڑتا ہے اور جن کی مدد سے وہ اس فرقہ کے نقطۂ خیال کو سمجھنے میں کامیاب ہو سکے۔ ایسی کمیٹیاں اگر ان سے صحیح طور پر کام لیا جائے نہایت ہی مفید ہوں گی۔

پنچایتوں کا قیام

تصفیہ تنازعات اور پنچایتوں کا قیام بھی ایک نہایت ہی نازک سوال ہے۔ اور اس میں سب سے بڑی شکل اختلاف مَابَیْنَ الْجَمَاعَات کی ہے۔ بعض فرقے دوسرے فرقوں کے اسقدر مقہور ہیں کہ ان کو ان سے انصاف کی ہرگز کوئی امید نہیں ہو سکتی جن کی جانیں محفوظ نہ ہوں ان کے مال اور عزتیں کہاں محفوظ ہو سکتی ہیں۔ پس پنچایتوں کا عام قانون نہیں بنایا جا سکتا۔ (۱) ہر فرقہ کے لوگ آپس کے جھگڑوں کو لازماً آپس میں طے کریں۔ عدالتوں میں ان کو نہ لے جاویں۔ سوائے فوجداری مقدمات کے جن میں سے ایسے مقدمات جن کا عدالتوں میں لے جانا قانونی طور پر ضروری ہے اس قاعدہ سے مستثنیٰ سمجھے جاویں۔ (۲) دو مختلف جماعتوں کے جھگڑے کی صورت میں یہ فیصلہ کیا جاوے کہ جو جماعتیں کہ عام نظام میں شامل ہونا چاہتی ہیں وہ اس میں شامل ہو جاویں۔ جن کو ابھی اپنی ہمسایہ قوم پر اعتبار نہ ہو ان کو مہلت دی جائے کہ وہ اس نظام کی خوبی کا تجربہ کر لیں۔ پھر جو جو قوم مطمئن ہوتی جاوے وہ عام نظام پنچایت میں شامل ہوتی جائے۔

ہاں یہ ضروری ہو گا کہ تجارتی اور صنعتی جھگڑوں کو عام پنچایتوں سے الگ رکھا جائے کیونکہ ان کی باریکیوں کو عام لوگ نہیں سمجھ سکتے۔ پس عام پنچایتوں کے ساتھ ساتھ ایک تجارتی و صنعتی پنچایتوں کا سلسلہ بھی ہونا چاہئے۔

تحفّظ مساجد و اوقاف مکاتب

یہ سوال بھی گو توجہ طلب ہے مگر پیچیدہ ضرور ہے۔ میرے نزدیک اس سوال کو ان دنوں خواہ مخواہ ایک قومی رنگ دے دیا گیا ہے۔ میرے نزدیک یہ ضروری ہے کہ مساجد کی حفاظت ہو مگر مساجد کی حفاظت اس طرح نہیں ہو سکتی کہ ہم ان کی چھتوں کا خیال رکھیں اور وہاں لوٹے مہیا کریں بلکہ مساجد کی حفاظت نماز کی طرف توجہ پیدا کرانے سے ہو سکتی ہے۔ جس مسجد کے نمازی موجود ہیں وہ آباد ہے اور اس کی حفاظت کے لئے کسی بیرونی جدوجہد کی ضرورت نہیں۔ پس تحفظ مساجد کا اصل حل مسلمانوں میں مذہبی روح کا پیدا کرنا ہے اور بڑوں اور چھوٹوں کو مجبور کرنا ہے کہ وہ نمازوں میں شامل ہوں۔

بے شک جو مساجد شکستہ ہیں اور جن کا انتظام خراب ہے اُن کا انتظام کرنا چاہئے مگر کثیر التعداد جماعتوں کو ایک منٹ کے لئے بھی قلیل التعداد جماعتوں کی مساجد میں دخل اندازی کا خیال نہیں کرنا چاہئے ورنہ مسجدیں آباد نہ ہوں گی ویران ہوں گی۔ اسلام کی طاقت بڑھے گی نہیں کمزور

ہو گی۔

اوقاف کے متعلق بھی یہی خیال رہنا چاہئے اور یہی قاعدہ ہونا چاہئے کہ جس غرض کے لئے کوئی وقف ہے اور جس قوم کا وقف ہے۔ اس کا انتظام اسی کے ذریعہ سے ہو نہ کہ دوسری قومیں بِلا وجہ اس میں دخل دینے کی کوشش کریں۔

قیامِ مکاتب نہایت ضروری ہے۔ بغیر تعلیم کے نظام قائم نہیں رہ سکتا۔ اور میرے نزدیک تو اگر روپیہ مہیا ہو سکے تو ابتدائی تعلیم ہر مسلمان کے لئے ممکن الحصول بنادینی چاہئے بلکہ ہر مسلمان کو مجبور کرنا چاہئے کہ وہ اپنے بچوں کو خواہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں تعلیم دلوائے۔

ہندو مسلم مناقشات و تعلقات

ساتواں امر ایجنڈے میں ہندو مسلم مناقشات و تعلقات کا ہے۔ اور در حقیقت میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کانفرنس کی ضرورت ہی اس سوال کے سبب سے پیدا ہوئی ہے۔ اگر ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات درست ہوتے تو اس رنگ میں تنظیم اور سنگھٹن کا خیال بھی شاید پیدا نہ ہوتا۔

میری رائے میں ملک کی سخت بدقسمتی ہو گی اگر ہم اس سوال کو حل نہ کر سکیں اگر مسلمان اور ہندو آپس میں محبت سے نہیں رہ سکتے تو وہ ہرگز سیلف گورنمنٹ کے مستحق نہیں۔ اور میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کا یہ خیال ہے کہ ہندوستان آج بھی پوری طرح سیلف گورنمنٹ کے حصول کے قابل ہے بشرطیکہ قومی مناقشات دور ہو جائیں۔ اور سَو سال تک بھی سیلف گورنمنٹ کے قابل نہ ہو گا اگر قومی مناقشات دور نہ ہوں خواہ انفرادی طور پر ہندوستان کے باشندے یورپ کے لوگوں سے کتنے ہی زیادہ تعلیم یافتہ اور مہذب کیوں نہ ہو جائیں۔ میرے نزدیک ہمیں اپنی قومی زندگی کے تحفظ کے سامان کرنے کے لئے ہر طرح ہندو مسلم اتحاد کے لئے کوشش کرنی چاہئے اور ایثار اور قربانی سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہئے بشرطیکہ وہ قربانی ہماری قومی زندگی کو کمزور کرنے والی نہ ہو۔

ہندو مسلم مناقشات کی وجہ

جہاں تک میں سمجھتا ہوں تمام اختلاف کی بنیاد دو امر ہیں۔ (۱) اختلاف کے باوجود اتحاد کرنے کی حقیقت نہ سمجھنا اور جو طبعی اختلافات ہیں ان کو بالجبر مٹانے کی کوشش کرنا۔ (۲) اس امر سے آنکھیں بند رکھنا کہ ہندو مسلمانوں میں حقیقتاً سیاسی اختلاف بھی موجود ہے اور اس اختلاف کی موجودگی میں اتحاد کی صورت صرف یہ ہو سکتی ہے کہ ایسے قواعد بن جاویں جن پر چل کر ہر اک قوم دوسرے کے حملہ

سے محفوظ ہو جائے کیونکہ جب تک اطمینان نہ ہو جائے اس وقت تک امن نہیں ہو سکتا۔

پہلے امر کی حقیقت کو نہ سمجھنے کے سبب سے گائے کی قربانی مساجد اور منادر کے احترام کا سوال پیدا ہوتا رہتا ہے۔ ہندو یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان ان کے عقائد کے مطابق عمل کریں اور مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ ہندو ان کے معتقدات کا لحاظ رکھیں۔ حالانکہ اگر دونوں فریق ایک دوسرے کے معتقدات سے متفق ہوتے تو یہ اختلاف ہوتا ہی کیوں۔ ایک ہندو گائے کا جس قدر بھی ادب کرے اس کا کوئی حق نہیں کہ وہ ایک مسلمان سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ گائے کو ذبح نہ کرے۔ جس طرح ایک مسلمان کا یہ حق نہیں کہ وہ ایک ہندو کو سود لینے سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔ اسی طرح ایک مسلمان کا کوئی حق نہیں کہ وہ ایک ہندو سے یہ درخواست کرے کہ وہ مسجد کے پاس سے گزرتے ہوئے باجہ نہ بجائے۔ نہ ایک ہندو کا حق ہے کہ وہ مسلمانوں کی کسی مذہبی رسم کو مندر کے قرب میں بجالانے میں روک ڈالے۔ اختلاف وسعت حوصلہ سے مٹتا ہے اور وسعت حوصلہ اس کا نام ہے کہ اگر کوئی شخص ہمارے مخالف عقیدہ رکھتا ہے تو ہم اس کو اس کے عقیدہ کے مطابق کام کرنے دیں۔ خود اپنے عقیدہ کے مطابق کریں۔ قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ [۴] اور لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ [۵] ہم سمجھانے کا حق رکھتے ہیں لیکن لڑنے جھگڑنے کا نہیں۔

مذہبی عقائد میں دخل نہ دیا جائے

پس چاہئے کہ ہندو مسلمان اس امر کو خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ ایک دوسرے کے عقیدے میں اور مذہبی امور میں دخل نہ دیں۔ ہندو گائے کے مسئلہ میں مسلمانوں کو آزاد چھوڑ دیں۔ مسلمان ہندوؤں کو شرک کے مسئلہ میں اور سکھوں کو جھٹکہ اور مسیحیوں کو سؤر کے مسئلہ میں کچھ نہ کہیں۔ مسلمان مساجد میں نماز پڑھیں اور اس کے باہر جو کچھ چاہے کوئی کرے اس میں دخل نہ دیں اور ہندو مندر میں جو چاہے کریں مگر گلیوں میں مسلمانوں سے نہ اُلجھیں۔ پبلک سڑکوں اور پبلک جگہوں کو خواہ مخواہ کی مذہبی نمائشوں سے بچایا جائے۔

ہندو مسلم تعلقات

اس سوال کا دوسرا حصہ ہندو مسلم تعلقات کے متعلق ہے۔ اور یہ تعلقات اس دوسرے نقص کے سبب سے جسے میں اوپر بیان کر آیا ہوں خراب ہو رہے ہیں۔ یعنی یہ کہ اس امر کو محسوس نہیں کیا جاتا کہ ایک لمبے عرصہ کے بغض و عناد کے سبب سے ہندو مسلم تعلقات خراب ہو رہے ہیں اور یہ کہ تعلقات کی خرابی کا باعث وہ

کروڑوں ہندو اور مسلمان ہیں جو روزانہ آپس میں مل رہے ہیں نہ کہ بعض لیڈر۔ لیڈر بعض دفعہ اشتعال کا موجب ہو جاتے ہیں مگر آتشی مادہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے قلوب میں موجود ہے۔ پس لیڈروں کی صلح سے ہرگز امن قائم نہیں ہو سکتا۔ ہندوستان نہ گاندھیوں، دیش بندھوؤں، نہروؤں اور نہ برجیوں سے آباد ہے نہ علی برادرز اور ابوالکلاموں سے۔ پس نہ ان لوگوں کے سمجھوتے کا اثر عوام پر پڑ سکتا ہے نہ ان کے قلوب کا انعکاس لوگوں کے قلوب پر اور اگر ہر قصبہ اور ہر گاؤں میں لاکھوں کروڑوں ہندو مسلمانوں کے حقوق تلف کرتے ہوئے اور مسلمان ہندوؤں کے حقوق تلف کرتے ہوئے نظر آئیں گے تو امن کو کون قائم رکھ سکے گا۔ پس امن تب ہو سکتا ہے جبکہ اس حالتِ نفاق کو تسلیم کرایا جائے اور بجائے آنکھیں بند کر کے صلح کا اعلان کرنے کے جو چند ماہ سے زیادہ نہ ٹھہرے گا اور وہ بھی ظاہر میں کیونکہ عملاً ایک دوسرے کی گردن برابر کاٹی جاتی رہے گی۔ چاہئے کہ عارضی طور پر ایسے قوانین بنائے جاویں جن سے قلیل التعداد جماعتوں کے حقوق محفوظ ہو جاویں۔ اور ہندو صاحبان اس امر کو تسلیم کر لیں کہ مسلمانوں اور دیگر قلیل التعداد جماعتوں کو ان کی آبادی کے تناسب کے مطابق نیابتی حقوق بھی ملیں اور سرکاری خدمات کا حصہ بھی۔ اور نہ صرف اس معاہدہ پر عمل ہو بلکہ اس کو کانسٹی ٹیوشن میں داخل کیا جائے تا کثیر التعداد جماعت اپنی کثرت رائے سے اس کو کسی وقت بھی قلیل التعداد جماعتوں کی مرضی کے خلاف بدل نہ سکے۔

ہندوؤں کی چھوت چھات

اسی طرح چونکہ ہندو لوگ مسلمانوں سے خورد و نوش کے سامان نہیں خریدتے اور ہر سال کم سے کم بیس کروڑ روپیہ ہندوؤں کی جیبوں میں مسلمانوں کی طرف سے ایسا جاتا ہے جس کا واپس آنا ناممکن ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو اپنی تمدنی ضروریات کے لئے اور اپنی قومی زندگی کی حفاظت سے اس وقت تک کہ ہندو مسلمانوں کا یہ مقاطعہ چھوڑ دیں ہندوؤں سے خورد و نوش کی چیزیں ہرگز نہیں خریدنی چاہئیں اور چھوت کے اس پہلو کو نہایت مضبوطی سے پکڑ لینا چاہئے اور ہندوؤں کو ان سے ناراض نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس طریق کے بغیر مسلمانوں کی مالی حالت کبھی درست نہیں ہو سکتی اور وہ کبھی تمدنی غلامی سے آزاد نہیں ہو سکتے۔

سیاستِ ہند کے متعلق مسلمانوں کا رویہ

آٹھواں سوال سیاست ہند کے متعلق مسلمانوں کا رویہ ہے۔ اس کے متعلق مجھے یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ کوئی عقلمند ایک منٹ کے لئے بھی خیال کرے گا

کہ مسلمانوں کو سیلف گورنمنٹ کے حصول کے لئے کوشش کرنی چاہئے یا نہیں۔ آزادی ہر انسان کا حق ہے اور مسلمان اس حق کو نظرانداز نہیں کرسکتے مگر سوال صرف طریق عمل کا ہے۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ میرے نزدیک تعاون زیادہ کارآمد حربہ ہے اور میں ان لوگوں سے جو اس حربہ کو استعمال کئے بغیر عدم تعاون پر عامل ہو گئے ہیں درخواست کرتا ہوں کہ وہ ایک دفعہ تعاون کا حربہ بھی چلا کر دیکھیں۔ بے شک اس حربہ کا چلانا بہت بڑی جرأت اور رات دن کی محنت چاہتا ہے مگر ملک کی بہتری ایسا کام نہیں جس کے لئے ذاتی آرام کی قربانی نہ کی جاسکے۔ میں ہرگز تسلیم نہیں کرسکتا کہ تعاون کا تجربہ کرلیا گیا ہے۔ تعاون کا نہیں، خوشامد کا، لالچ کا، حرص کا، طمع کا بلکہ جھوٹ اور فریب کا تجربہ اس وقت تک کیا گیا ہے۔ ملک کے فوائد کو مدنظر رکھ کر تعاون کا تجربہ بحیثیت قوم اب تک کُل ہندوستان نے تو الگ رہا کسی ایک قوم نے بھی نہیں کیا۔

پس اس امر کو بِلا تجربہ کئے چھوڑ دینا اور ملک کو فتنہ و فساد کی ندی میں دھکیل دینا کہ حوادث زمانہ کی تھپیڑیں کھاتا پھرے کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ اور کم سے کم میں یہ کہوں گا کہ اگر ایک فریق عدم تعاون کا قائل ہو تو اسے نہیں چاہئے کہ تعاون کے خیال والوں کی ذاتی مخالفت کرے یا ان کی نیت پر الزام لگائے۔

مسلمانوں کا سلوک اپنے لیڈروں سے

افسوس! مسلمانوں نے اپنے پچھلے غلط رویہ سے کتنا نقصان اٹھایا ہے جبکہ ہندوؤں کے تعاونی لیڈر پنڈت مالویہ صاحب پبلک اور کانگریس میں ویسے ہی معزز رہے جیسا کہ وہ پہلے تھے سر سپرو اور شاستری اسی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے رہے جس سے پہلے دیکھے جاتے تھے۔ مسلمانوں کے لیڈر مسٹر جناح اور فضل الحق، سر شفیع اور اسی قسم کے دوسرے لوگ جو یا عدم تعاون کے قائل نہ تھے یا اس کے اندھادھند مقلّدوں میں سے نہ تھے ان کی آواز اس طرح دبادی گئی کہ گویا انہوں نے ملک کی کوئی خدمت کی ہی نہیں۔ نتیجہ یہ ہؤا کہ ہندو تعاون اور عدم تعاون دونوں کے فوائد سے مالامال ہو گئے اور مسلمان دونوں طرف سے گھاٹے میں رہے۔

پچھلے سال کے سفر یورپ میں جن یورپین اہل الرائے سے ملا ہوں میں نے دیکھا ہے سوائے ایک دو کے سب کے سب باوجود اختلاف کے ہندو لیڈروں کے مداح تھے اور سوائے ایک دو کے سب کے سب مسلمان لیڈروں کو حقیر اور بیوقوف سمجھتے تھے۔ اس کا باعث یہی ہے کہ مسلمان ایک وقت میں اپنے لیڈروں کو سرپر چڑھاتے ہیں دوسرے وقت میں ان کو اختلاف پر قعرِ مذلّت

میں گرا دیتے ہیں۔ حالانکہ اعزاز اور اکرام اور شئے ہے اتباع اور۔ وہ ان کی اتباع نہ کریں مگر اختلاف رائے سے جو دیانتداری پر مبنی ہو ان کی پچھلی خدمات پر پانی کیونکر پھر جاتا ہے۔

سیاست سودا ہے

دوسرا نقص یہ ہے کہ ہم لوگ اس امر کو نہیں جانتے کہ سودا کیا شئے ہے۔ تمام سیاست سودے پر چل رہی ہے اور جب تک یہ سودا ہم نہ سیکھیں گے اس وقت تک نہ گورنمنٹ کے ساتھ معاملہ میں کامیاب ہوں گے نہ دوسری اقوام سے۔ ہمیں کبھی یہ رویہ اختیار نہیں کرنا چاہئے کہ جو کچھ کہتے ہیں بس اس سے ایک قدم نہیں ہٹیں گے۔ بے شک ہم حسنِ تدبیر سے یہ کوشش کریں کہ دلیل سے، حکمت سے دوسرے کو اپنے مطلب کی طرف کھینچ لاویں بلکہ اپنے مطالبہ سے بھی زیادہ حق لے لیں لیکن عدم تسامح کی کارروائی پر ہمیں کبھی عمل نہیں کرنا چاہئے۔ ہمیں دنیا کے سامنے کبھی اپنے مطالبات اس صورت میں نہیں رکھنے چاہئیں کہ ان کو مانتے ہو تو مانو ورنہ لو ہم جاتے ہیں بلکہ ہمیشہ اس پر آمادہ رہنا چاہئے اور اس آمادگی کو ظاہر کرنا چاہئے کہ دوسرے کی مشکلات اور اس کے راستہ کی روکوں کو بھی ہم غور سے سنیں گے اور ان کا لحاظ کریں گے۔

علیحدہ حقِ نیابت

میرے نزدیک مسلمانوں کی سیاسی طاقت کے مضبوط کرنے اور گورنمنٹ میں ان کی آواز کو وزن دار بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان کے مطالبات کو اس طرح پیش کیا جایا کرے کہ وہ صرف معقول ہی نہ ہو بلکہ دوسروں کو بھی معقول نظر آویں۔ میں مثال کے طور پر ایک امر کو لیتا ہوں اور وہ علیحدہ حقِ نیابت ہے۔ یورپ کے لوگ علیحدہ حق نیابت کو ملک کے حق میں سخت مضر خیال کرتے ہیں اور یہ بات بھی درست ہے۔ مگر مسلمانوں کی کمزوری ہندوؤں کا کُل شعبوں پر قبضہ اور مسلمانوں کی ترقی کے راستے بند کر دینا یہ ہمیں مجبور کرتا ہے کہ جب تک اس حالت کی اصلاح نہ ہو جائے جُداگانہ حق نیابت کا مطالبہ کریں بلکہ ملازمتوں میں بھی اپنا نسبتی حق مانگیں۔ اب یورپ کے نزدیک جُداگانہ حق نیابتی تو خودکشی ہے لیکن ملازمتوں میں حقِ نسبتی کا مطالبہ پورا اور کھلا ہوا جنون ہے۔ اتفاق ایسا ہے کہ ہندوؤں کا بوجہ کثیرالتعداد ہونے کے اس اصل کے رائج کرنے میں فائدہ ہے۔ پس وہ اپنے فائدہ کی غرض سے اس کی تائید کرتے ہیں اور اہل یورپ سمجھتے ہیں کہ وہ دانا ہیں اور مسلمان پاگل اور ملک کے دشمن۔ مجھ سے لندن کے سب سے بڑے روزانہ اخباروں کے ایڈیٹروں میں سے ایک نے جو مسلمانوں کی تائید میں تھا حیرت سے ذکر کیا کہ یہ پاگلانہ مطالبہ مسلمان کس طرح کرتے ہیں۔ لارڈ منٹو کے

وعدے کی وجہ سے وہ جداگانہ حقِ نیابت کو اُڑا نہیں سکتے مگر دل میں سب سمجھتے ہیں کہ یہ ناجائز ہے اور اب جو ملازمتوں کا سوال اٹھا ہے اس کے بارہ میں تو وہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کا ظلم اور دیوانگی ہے۔ پس ضروری ہے کہ مسلمانوں کے مطالبات کو ایسی زبان میں اور واقعات کی روشنی میں گورنمنٹ اور اہلِ انگلستان کے سامنے رکھا جائے کہ وہ سمجھ سکیں کہ ہمارے مطالبات گو اصولاً درست نہ ہوں مگر وقتی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے اشد ضروری ہیں اور ان کو اس وقت تک نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ حالات تبدیل نہ ہو جاویں۔ غرض چونکہ انڈین گورنمنٹ ہمارے سامنے جوابدہ نہیں مگر انگلستان میں جوابدہ ہے اس لئے گورنمنٹ کے سامنے اپنی ضروریات کو مدلل پیش کرنے کے علاوہ ہمارا فرض ہے کہ ہم انگلستان کی عام رائے میں بھی تبدیلی پیدا کریں۔ غیر تو غیر میں نے دیکھا ہے انگلستان میں جو مسلمان طلباء پڑھتے ہیں وہ بھی اپنے ملک سے دُور ہونے کے سبب سے اور ہندوستان کے واقعات سے ناواقفیت کے سبب سے جداگانہ نیابت اور حقوق ملازمت کے مطالبات کو لغو اور ملک کے حق میں مُضِرّ خیال کرتے ہیں۔ جب ہمارے اپنے بچوں کا یہ حال ہے تو ہم دوسروں سے کیا امید رکھ سکتے ہیں۔

مسئلہ تعلیم و تجارت

آخری مسئلہ تعلیم و تجارت و صنعت و حرفت کی ترقی کا مسئلہ ہے تعلیم کے متعلق تو میں صرف اسقدر کہنا چاہتا ہوں کہ ہمیں تعلیم میں اس امر کو مدنظر رکھنا چاہئے کہ بچوں میں قومی روح پھونکی جائے۔ موجودہ حالت یہ ہے کہ مسلمان نوجوانوں کے سامنے کوئی خوش کن ماضی نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے شاندار مستقبل کی امید ان کے دلوں میں پیدا ہو سکے ہمارے سب بادشاہوں، سب بزرگوں کی ایسی بھیانک شکل ہمارے سامنے پیش کی گئی ہے کہ تعصباً اگر ہم ان کو اچھا کہیں تو اور بات ہے ورنہ دل ان کے اندر کوئی خوبی نہیں دیکھتے۔ مجھے تعجب آتا ہے جب میں دیکھتا ہوں کہ ادبی رسالوں میں خود مسلمان مصنّف مسلمان بادشاہوں کی نیتوں پر حملہ کرتے ہیں۔ حالانکہ نیت سے کون واقف ہو سکتا ہے نیت پر حملہ ہمیشہ دشمن کرتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک ظاہری جائز بات کو بُری کر کے دکھا نہیں سکتا جب تک نیت پر حملہ نہ کرے اور جب ایک تعلیم یافتہ مسلمان یہی فعل کرتا ہے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی قومی حِس مر گئی ہے اور وہ اچھے اور برے اخلاق میں تمیز نہیں کر سکتا اور یہ نتیجہ اس غلط تعلیم کا ہے جو اس کو دی گئی ہے۔ پس تعلیم کا یہ پہلو خاص توجہ کا مستحق ہے۔

مسلمان بادشاہوں کی خوبیاں

ہمیں مسلمان بادشاہوں کی وہ خوبیاں جو چھپائی جاتی ہیں ظاہر کرنی چاہئیں۔ اور ان کی وہ غلطیاں جو ان کے زمانہ کے تمدن کا نتیجہ تھیں ان کے متعلق ثابت کرنا چاہئے کہ وہ طبعی غلطیاں تھیں اخلاقی نہ تھیں۔ ہاں جو فی الواقع بڑے آدمی ہوں ان کی برائی کا بھی اقرار کیا جائے۔ اور کونسی قوم ہے جس میں اچھے اور برے لوگ نہ پائے جاتے ہوں۔ اسلام کے دشمنوں نے باقاعدہ اشاعت کا کام اسلامی بادشاہوں کے خلاف شروع کیا ہوا ہے اور اس کا ازالہ ضروری ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اگر یہ واقعہ نہیں ہے تو کیا وجہ ہے کہ جس قدر مسلمانوں کو دیندار کہا جاتا ہے ان کو ظالم بتایا جاتا ہے۔ اور جسقدر بادشاہوں یا دوسرے بڑے لوگوں کو عادل یا عاقل ثابت کیا جاتا ہے ساتھ ہی ان کی اسلام سے بیزاری بھی ثابت کی جاتی ہے۔ کیا اس امر کو دیکھتے ہوئے بھی کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ واقعات سے بحث کیا جاتی ہے نئے خیالات پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی۔

دینی تعلیم کی ضرورت

اسی طرح یہ ضروری ہے کہ دینی تعلیم کی طرف خاص طور پر توجہ کی جائے بغیر دینی تعلیم کے مسلمان مسلمان نہیں بن سکتے۔ اور جس کو اسلام سے محبت ہے وہ اس اعلیٰ سے اعلیٰ دنیوی تعلیم کو دیکھ کر بھی خوش نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ دینی تعلیم نہیں۔

اسلامی تمدن پر تاریخی کتب

تعلیمی پہلو کو مکمل کرنے کے لئے اس امر کی بھی ضرورت ہے کہ ایسی تاریخی کُتب لکھی جاویں اور طالب علموں کو پڑھائی جاویں جو اسلامی تمدن پر روشنی ڈالتی ہوں۔ اس وقت تک جو کُتب لکھی جاتی ہیں وہ علاوہ ناقص ہونے کے چند آدمیوں کے حالات پر مشتمل ہوتی ہیں ان سے مسلمانوں کے تمدن کا بہ حیثیت قوم کچھ پتہ نہیں لگتا اور کسی ایک یا چند آدمیوں کے اچھے یا بُرے یا عالم یا جاہل ہونے سے اس قوم کی حالت کا صحیح اندازہ کامل تو الگ رہا ناقص طور پر بھی نہیں کیا جا سکتا۔

تعلیم نِسواں

تعلیم کی تکمیل کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ عورتوں کی تعلیم کی طرف خاص طور پر زور دیا جائے عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کے بغیر کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی مگر چونکہ عورتوں کے بیشتر حصہ نے ملازمتیں نہیں کرنی ان کی تعلیم میں زیادہ زور دینی تعلیم پر ہونا چاہئے تا وہ اپنے بچوں کو پکے مسلمان بنا کر اپنی قوم کے سامنے پیش کریں۔ اور امور خانہ داری کی تعلیم ہونی چاہئے تا وہ اچھی ساتھی بن سکیں اور صنعت و حرفت کی تعلیم ہونی چاہئے تا وہ

عِنْدَالضَّرورت اپنے گھروں میں بیٹھ کر بھی اپنی معیشت کا سامان پیدا کر سکیں اور عِنْدَالفَرَاغَتْ غرباء کی مدد کر سکیں۔ اور نرسنگ کی تعلیم ہونی چاہئے تاکہ وہ وقتِ ضرورت اپنے ملک اور اپنے خاندان کی خدمت کر سکیں۔ ہاں ان کے ساتھ زبانوں اور حساب وغیرہ کی بھی تعلیم ہو۔ کیونکہ یہ علوم تمدن کے قیام اور عقل کی تیزی کے لئے ضروری ہیں۔

مسلمان بچے اور تمدن یورپ

مگر میرے نزدیک سب سے ضروری چیز اس وقت ہمارے لئے یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو یورپ کے تمدن سے آزاد کرائیں۔ تمدنی غلامی سیاسی غلامی سے بہت بڑھ کر ہے۔ سیاسی غلامی میں انسان کا دل آزاد ہوتا ہے لیکن تمدنی غلامی میں اس کا دل بھی غلام ہو جاتا ہے جو بہت زیادہ خطرناک بات ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ مسلمان اپنے ظاہر اور اپنے باطن میں مغربی تمدن کے دلدادہ ہوتے چلے جاتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں جن کا خیال رکھنے میں کوئی بھی قربانی نہیں کرنی پڑتی اسلامی شعار اور آبائی تمدن چھوڑ کر مغربی تمدن اور مغربی عادات اختیار کرتے جا رہے ہیں اور جو قوم ارتقاء کے طور پر نہیں بلکہ نقل کے طور پر دوسری قوم کی عادات کو اختیار کرتی ہے وہ خواہ سیاستاً آزاد بھی ہو جائے حقیقی غلامی سے کبھی آزاد نہیں ہوتی اور اعلیٰ مدارج ترقی پر کبھی بھی نہیں پہنچتی۔

تجارت کے متعلق مشورہ

تجارت کے متعلق میں یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ اس امر سے مسلمانوں نے سب دوسرے امور کی نسبت زیادہ تغافل برتا ہے۔ تجارت بالکل مسلمانوں کے قبضہ میں نہیں ہے اس کا ہر ایک شعبہ ہندوؤں کے قبضہ میں ہے اور اس کی وجہ سے مسلمان اقتصادی طور پر ہندوؤں کے غلام ہیں۔ اور ان کی گردنیں ایسی بُری طرح ان کی پھندے میں ہیں کہ وہ بغیر ایک جان توڑ جدوجہد کے اس سے آزاد نہیں ہو سکتے۔ آڑھت، صرافی، تجارت درآمد و برآمد، ایجنسی، انشورنس، بنکنگ، ہر ایک شعبہ جو تجارت کے علم سے تعلق رکھتا ہے اس میں وہ نہ صرف پیچھے ہیں بلکہ اس کے مبادی سے بھی واقف نہیں اور اس کے دروازے تک بھی نہیں پہنچے۔ صرف چند چیزیں خرید کر دکان میں بیٹھ جانے کا نام وہ تجارت سمجھتے ہیں اور ان چیزوں کے بیچنے اور خریدنے کا بھی ڈھنگ ان کو نہیں آتا۔ وہ اس کوچہ سے نابلد ہونے کے سبب اس دیانتِ تجارت اور خُلق تاجرانہ سے جس کے بغیر تجارت باوجود علم کے بھی نہیں چل سکتی ناواقف ہیں۔ پس ضروری ہے کہ ایک کمیشن کے ذریعہ تجارت کی تمام اقسام کی ایک لسٹ بنائی جائے اور پھر دیکھا جائے کہ کس کس قسم کی تجارت میں مسلمان کمزور

ہیں۔ اور کس کس قسم کی تجارت سے مسلمان بالکل غافل ہیں اور پھر ان نقائص کا ازالہ شریعت کے احکام کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا جائے۔

مسلم چیمبر آف کامرس

یہ بھی ضروری ہے کہ ایک مسلم چیمبر آف کامرس بنائی جائے تاکہ مسلمان تاجروں میں اپنی قومی کمزوری کا احساس ہو۔ اور وہ ایک دوسرے سے تعاون کا معاملہ کرنے کے عادی ہوں۔ اسی چیمبر سے نظامِ مرکزی بھی نہایت قیمتی مدد اپنے اغراض کے پورا کرنے میں لے سکتا ہے۔

صنعت و حرفت

صنعت و حرفت کا میدان میرے نزدیک تجارت سے بھی اہم ہے کیونکہ (۱) اس میں نفع کا زیادہ موقع ہے۔ اور (۲) اس میں دوسرے ملکوں کی دولت کھینچی جاسکتی ہے۔ اور (۳) ملک کے لاکھوں آدمیوں کے گزارہ کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ (۴) تجارت کا دارومدار اس پر ہے۔ جو قوم اس پر اچھی طرح قابو پالے وہ تجارت کو اپنے ہاتھ میں آسانی سے لے سکتی ہے۔ اس کے ذریعہ سے ملک اقتصادی اور سیاسی غلامی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں کے لئے اس میدان میں بہت موقع ہے۔ اول تو اس وجہ سے کہ جو ملکی قدیم صنعت و حرفت ہے اس کا بیشتر حصہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ گو وہ آج کل مُردہ ہے لیکن اگر اس کو اُبھارا جائے تو مسلمانوں کے پاس ایک بیج موجود ہے۔ دوسرے اس وجہ سے وسیع پیمانے پر صنعت و حرفت کا تجربہ ابھی ہمارے ملک میں شروع نہیں ہوا۔ یہ صیغہ ابھی ابتدائی تجارت کی حالت میں ہے اور بہت ہی قریب زمانہ سے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوئے ہیں۔ پس مسلمانوں کے لئے اس میدان کا دروازہ بند نہیں اور وہ آسانی سے اپنا حصہ بلکہ اپنے حصہ سے بڑھ کر اس شعبہ عمل میں حاصل کر سکتے ہیں۔ پس میرے نزدیک اس امر کی طرف فوری توجہ ہونی چاہئے۔ اور اس کا بہترین طریق یہی ہے کہ (۱) ایک بورڈ آف انڈسٹریز مقرر کیا جائے جس کا کام یہ ہو کہ وہ ان صنعتوں کی ایک فہرست بنائے جو اس وقت مسلمانوں میں رائج ہو رہی ہیں اور ان کی جو آسانی سے رائج ہو سکتی ہیں اور انکی جن کی ملک کی اقتصادی آزادی کے لئے ضرورت ہے۔ جو رائج ہیں ان کو تو ایک نظام میں لاکر ترقی دینے کی کوشش کی جائے۔ اور جو ملک میں رائج ہیں مگر مسلمان ان سے غافل ہیں ان کی طرف مسلمان سرمایہ داروں کو توجہ دلا کر ان کو جاری کروایا جائے۔ اور جو ملک میں رائج ہی نہیں مگر ان کی ضرورت ہے ان کے لئے تجربہ کار آدمیوں کا ایک وفد بیرونی ممالک میں بھیجا جائے جو ان کے متعلق تمام ضروری معلومات بہم پہنچائے۔ اور جن جن صنعتوں کا اجراء وہ ممکن

قرار دے ان کے لئے ہوشیار طالب علموں کو وظیفہ دے کر بیرونی ممالک میں تعلیم دلوائی جائے اور ان کی واپسی پر مسلم سرمایہ داران کے ذریعہ سے ان صنعتوں کے کارخانے جاری کئے جاویں۔

سیاسی اتحاد کے بغیر کامیابی محال ہے

میں جس قدر کہ ایک مختصر پمفلٹ میں لکھا جاسکا ہے لکھ چکا ہوں۔ تفاصیل پر بحث اس وقت کر سکتا ہوں جبکہ ان کی ضرورت محسوس ہو۔ اور اس لئے پھر ایک دفعہ اس امر کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ سب محنت رائیگاں اور سب تدابیر عبث جائیں گی اگر اس امر کو اچھی طرح نہ سمجھ لیا گیا کہ ہم باوجود ایک دوسرے کو کافر کہنے کے اغیار کی نظروں میں مسلمان ہیں اور ایک کا نقصان دوسرے کا نقصان ہے۔ پس سیاسی میدان میں ہمیں مذہبی فتوؤں کو نظر انداز کر دینا چاہئے کیونکہ وہ ان کے دائرہ عمل سے خارج ہیں۔ اسلام ہرگز یہ نہیں کہتا کہ تم اپنی سیاسی ضروریات کے لئے ان لوگوں سے مل کر کام نہیں کر سکتے جن کو تم مسلمان نہیں سمجھتے۔ اگر رسول کریم ﷺ مشرکوں کے مقابلہ میں یہود سے سمجھوتہ کر سکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان کہلانے والے فرقے اسلام کی سیاسی برتری بلکہ یہ کہو کہ سیاسی حفاظت کے لئے اس میں مل کر کام نہ کر سکیں۔ اگر ہم ایسے موقع پر اتحاد نہ کر سکیں گے تو یقیناً اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ہمارا اختلاف اسلام کے لئے نہیں بلکہ اپنی ذات کے لئے ہے اپنے نفسوں کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس بدبختی سے محفوظ رکھے۔ آمین وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

خاکسار

میرزا محمود احمد

(امام جماعت احمدیہ)

قادیان۔ ضلع گورداسپور

ا آل عمران: ۱۰۵ ۲ الانعام: ۱۳۶ ۳ الکفرون: ۷